پانچ عکس ایک سرور (آلِ احمد سرور: خاکہ نگاروں کے آئینے میں)

Five Sketches, One Suroor (In the Mirror of Ale Ahmad Suroor's Portraitists)

عدینہ امیر [i] ڈاکٹر عذرا پروین [ii]

Abstract:

Professor Al e Ahmad Saroor is a prominent figure in Urdu literature, whose personality has been depicted by various writers in their sketches, including Asloob Ahmad Ansari, Dr. Syed Moeen-Ur-Rahman, Aabid Sohail, Shamim Hanfi, and Noor-ul-Hassan Naqvi. These sketches highlight different aspects of Saroor's academic, literary, and personal life. Asloob Ahmad Ansari emphasized his weak criticism and opportunism, while Dr. Syed Moeen-Ur-Rahman presented his personality with love and reverence. Aabid Sohail balanced Saroor's communist affiliations and literary ideologies, while Shamim Hanfi highlighted his intellectual insight and tolerance. Noor-ul-Hassan Naqvi's sketch is the most balanced and comprehensive, encompassing all facets of Saroor's personality. Through these sketches, various dimensions of Professor Al e Ahmad Saroor's personality are revealed.

Keywords: *Professor Al e Ahmad Saroor, Urdu literature, literary criticism, Asloob Ahmad Ansari, Dr. Syed Moeen-Ur-Rahman, Aabid Sohail, Shamim Hanfi, Noor -ul-Hassan Naqvi, Sketches, Literary Insights, Communist, Intellectual Tolerance.*

پروفیسر آلِ احمد سرور (۱۹۱۱ء — ۲۰۰۲ء) جدید اردو تنقید کے بنیاد سازوں میں شامل ہیں ، جن کی شخصیت کو مختلف ادیبوں نے خاکوں میں پیش کیا ہے ، ان شخصیات میں اسلوب احمد انصاری ، شمیم حنفی ، نورالحسن نقوی ، عابد سہیل ، اور ڈاکٹر سید معین الرحمٰن شامل ہیں۔ ان خاکوں میں سرور صاحب کی علمی ، ادبی ، تنقیدی اور شخصی پہلوؤں کوخاکے کی زینت بنایا گیاہے۔ اسلوب احمد انصاری نے ان کی شخصی کمزوریوں اور اخلاقی برائیوں کو نمایاں کیا تو شمیم حنفی نے ان کی علمی بصیرت اور رواداری اور نظریاتی وابستگی کا احاطہ کیا۔ نورالحسن نقوی نے ان کی متوازن شخصیت کا خاکہ کھینچا۔ عابد سہیل نے متوازن انداز میں سرور صاحب کی نظریاتی وابستگی اور ان کی ترقی پسند فکر ، ادب کے حوالے سے ان کا نظریہ ، اور سماجی انصاف کے لیے ان کی جدوجہد کو زیرِ بحث لائے جب کہ ڈاکٹر معین الرحمٰن کا خاکہ تعارفی اور توصیفی ہے۔ ان تمام خاکوں میں آلِ احمد سرور کی شخصیت اور فکر و فن کی مختلف جہتیں سامنے آئی ہیں۔ زیرِنظر مقالے میں ان تمام خاکوں کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ لیا گیا ہے۔

کلیدی الفاظ: پروفیسر آلِ احمد سرور ، اردو ادب ، ادبی تنقید ، خاکے ، ادبی بصیرت ، اسلوب احمد انصاری ، ڈاکٹر سید معین الرحمٰن ، عابد سہیل ، شمیم حنفی ، نور الحسن نقوی ، علمی رواداری۔

خاکہ نگاری ایک ایسا فن ہے جس میں نہ صرف کسی شخصیت کی ظاہری ہیئت کو موضوعِ تحریر میں لایا جاتا ہے بلکہ اس کے ذہنی، جذباتی اور نفسیاتی پہلوؤں کو بھی بے نقاب کیا جاتا ہے۔ خاکہ دراصل ایک قلمی مگر متحرک اور جاندار تصویر ہوتی ہے جسے خاکہ نگار اپنے موئے قلم سے تیار کرتا ہے اور جس طرح اور جیسے اس نے اپنی شخصیت کو پایا اور محسوس کیا ہوتا ہے بعینہٖ اسے پیش کر دیتا ہے۔ وہ فکشن نگار کی طرح اپنے خاکے میں تخئیل کے ذریعے رنگ آمیزی نہیں کرتا بلکہ ایک ماہرِ نفسیات کی طرح اس کی شخصیت کے باطن

i اسکالر ایم فل ، شعبہ اردو ، دی ویمن یونی ورسٹی ، ملتان۔

ii صدر نشین ، شعبہ اردو ، دی ویمن یونی ورسٹی ، ملتان(Corresponding Author)

میں اتر کر اس کی حقیقت کو دریافت کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اسی لیے ڈاکٹر انور سدید نے اس فن کو شخصیتوں کی سیاحت سے تعبیر کیا ہے۔[۱]

یعنی یہ فن محض واقعات کی نقل نہیں بلکہ اس کے ذریعے انسان کی باطنی گہرائیوں میں جھانکنا اور اس کے پوشیدہ رازوں کو سامنے لانا مقصود ہوتا ہے اور جب کسی عظیم المرتبت شخصیت کو خاکے کا موضوع بنایا جائے تو اس کی اہمیت اور بھی بڑھ جاتی ہے۔

پروفیسر آلِ احمد سرور، اردو تنقید کی ایک معتبر اور اہم شخصیت ہیں، جنھوں نے اپنی تنقیدی تحریروں اور منفرد اسلوب کے ذریعے اردو کی تنقیدی تاریخ میں اپنا ایک منفرد اور نمایاں مقام بنایا ہے۔ سرور صاحب کی شخصیت کو پانچ ادیبوں نے خاکے کی زینت بنایا ہے۔ ان میں اسلوب احمد انصاری، شمیم حنفی، نورالحسن نقوی، عابد سہیل اور ڈاکٹر معین الرحمٰن شامل ہیں۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ تمام خاکہ نگاروں نے سرور صاحب کو اپنے اپنے نقطہ نظر اور اپنے اپنے انداز سے دیکھا بھی ہے اور پیش بھی کیا ہے۔ چناں چہ ہر خاکہ اپنے تخلیق کار کے ذہن و فکر کا عکاس ہے۔

ایک ہی شخصیت پر لکھے گئے مختلف خاکوں کا تقابلی جائزہ اس لیے ضروری ہے کہ اس طرح کسی بھی شخصیت کا مختلف زاویوں سے مطالعہ کیا جاتا ہے۔ مختلف مزاج، نظریات، افکار اور نقطہ نظر رکھنے والے خاکہ نگاروں کے تحریر کردہ خاکے اپنی شخصیت کو اپنے اپنے انداز سے دیکھتے اور پیش کرتے ہیں۔ شخصیت کی مختلف و متنوع انداز میں پیش کش کا تنقیدی اور تجزیاتی مطالعہ اس شخصیت کا جامع مطالعہ پیش کرتا ہے اور شخصیت کی متنوی اور پیچ در پیچ شخصیت اور کردار بھی کھل کر سامنے آجاتا ہے۔ کسی شخصیت کے متنوع پہلوؤں اور زاویوں سے دیکھا سامنے آتا ہے۔ خاکہ نگاری کے فن کو سمجھنے کے لیے علمی بنیادیں فراہم ہوتی ہیں۔ تحقیقی میدان میں شخصیت نگاری کے لیے معیار متعین کرنے میں مدد ملتی ہے۔ ادبی تنقید اور روایت میں موازنے کے ذریعے حقیقت تک پہنچنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ زیرِ نظر مقالے میں بھی آلِ احمد سرور کی شخصیت اور افکار و نظریات کو ان پر لکھے گئے خاکوں کی روشنی میں پرکھنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اس سے شخصیت نگاری کی روایت مستحکم ہوتی ہے اور تنقیدی شعور کی پرورش ہوتی ہے۔

پروفیسر آلِ احمد سرور ۹ ستمبر ۱۹۱۱ء کو بدایوں کے ایک علمی گھرانے میں پیدا ہوئے۔ انھوں نے اپنی ابتدائی تعلیم بدایوں سے حاصل کی، اور پھر آگرہ کے سینٹ جانس کالج سے بی ایس سی کی ڈگری حاصل

کی۔ ۱۹۳۲ء میں علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں ایم اے انگریزی میں داخلہ لیا اور ۱۹۳۶ء میں اردو میں بھی ایم اے کیا۔ ۱۹۳۸ء میں وہ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے شعبۂ اردو میں لکچرر کے طور پر مقرر ہوئے، جہاں انھوں نے ۱۹۵۵ء تک تدریسی خدمات انجام دیں۔ اسی دوران انھوں نے ترقی پسند تحریک سے وابستگی اختیار کی، مگر ہمیشہ اس کی شدت پسندی سے گریز کیا اور اپنی انسان دوستی کی فکر پر زور دیا۔

آلِ احمد سرور معروف نقاد کے طور پر جانے جاتے ہیں لیکن ان کی ایک جہت شاعری بھی ہے۔ ان کی تنقید اور شاعری دونوں میں مغربی اور مشرقی ادب سے حاصل کردہ فکر و فن کا گہرا امتزاج نظر آتا ہے، جس نے انھیں اردو کی ادبی و تنقیدی روایت میں انفرادیت عطا کی ہے۔ ان کی تصانیف میں کچھ کے نام یہ ہیں: نئے اور پرانے نظریے ، تنقید کیاہے ، ادب اور نظریہ ، مسرت سے بصیرت تک ، اقبال کا نظریہ اور شاعری ، ذوق جنوں (شاعری)، اور خواب باقی ہیں (خودنوشت)۔

ادبی شخصیات کو سمجھنے کے لیے ان کے فکر و فن پر کیے گئے مقالات، اور تجزیاتی مطالعات اہمیت کے حامل ہوا کرتے ہیں۔ اسی طرح انٹرویوز بھی شخصیات کو سمجھنے میں مددگار ہوتے ہیں لیکن خاکہ ایسی صنف ہے جو شخصیت کے فکری، فنی اور شخصی پہلوؤں کو بیک وقت پیش بھی کرتی ہے اور پورے طور پر سمجھنے میں معاون بھی ہوتی ہے۔ آلِ احمد سرور پر بہت لکھا گیا ہے لیکن اردو کے اہم ادبا نے ان کو اپنے خاکوں کی زینت بھی بنایا ہے۔ اہم بات یہ ہے کہ یہ خاکے آلِ احمد سرور کی شخصیت اور فن کے متفرق پہلوؤں کو زیر بحث لاتے ہیں۔ ذیل میں آلِ احمد سرور کی شخصیت اور فن کا احاطہ کرنے والے خاکوں کا تجزیاتی مطالعہ پیش کیا جاتا ہے:۔

''پروفیسر آلِ احمد سرور'' از: اسلوب احمد انصاری

اسلوب احمد انصاری ۱۹۲۵ء میں دہلی میں پیدا ہوئے اور علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے ۱۹۴۶ء میں انگریزی میں ایم اے کیا۔ ان کی علمی جد و جہد کا آغاز علی گڑھ سے ہوا، جہاں انھوں نے تدریسی خدمات کا آغاز کیا اور بعد میں آکسفورڈ یونیورسٹی سے گریجویشن کی۔ اسلوب احمد انصاری کی ادبی اور تنقیدی نگارشات میں ادب اور تنقید، نقش غالب ، نقش اقبال اور غزل تنقید جیسی اہم کتابیں شامل ہیں۔

اسلوب احمد انصاری کا خاکہ ''آلِ احمد سرور'' ان کے خاکوں کی مجموعہ آئینہ خانے میں شامل ہے جو کہ ۲۰۰۴ء میں انٹر نیشنل پرنٹنگ پریس علی گڑھ سے شائع ہوا۔ اسلوب احمد انصاری، آلِ احمد سرور کے ہم

شہر اور رفیق کار رہے ہیں۔ دونوں انگریزی کے طالب علم اور علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے استاد رہے۔ تاہم دونوں نے اردو میں لکھا۔ تنقید دونوں کا مشترکہ شعبہ ہے اور دونوں کی شہرت کا باعث بھی یہی شعبہ بنا۔ دونوں کا شمار اردو کے اہم ناقدین میں ہوتا ہے۔ لہٰذا اسلوب احمد انصاری کا تحریر کردہ خاکہ اہمیت کا حامل سمجھا جاسکتا ہے کیوں کہ انھوں نے آلِ احمد سرور کو بہت قریب سے دیکھا ہے۔ وہ ان کے شخصی خصائص سے بھی واقف ہیں اور ان کی علمی ترجیحات اور ادبی جہات سے بخوبی واقف ہیں۔ ممکن ہے دونوں کے درمیان معاصرانہ چشمک یا مفاداتی ٹکراو کا عمل دخل رہا ہو۔ اس موقف کی ضرورت اس وجہ سے بھی پیش آئی ہے کہ انھوں نے آلِ احمد سرور کا خاکہ جارحانہ انداز میں تحریر کیا گیا ہے۔ یہ خاکہ آلِ احمد سرور کے شخصی معائب کے ساتھ ساتھ ادبی نقائص کو بھی سامنے لاتا ہے۔ ان کے خیال میں آلِ احمد سرور کی گفتگو غیر متاثر کن تھی، جسے انھوں نے 'بے مزہ' (insipid) کے لفظ سے یاد کیا ہے، اور اسی طرح انھوں نے آلِ احمد سرور کو 'Careerist' اور 'موقع پرست' بھی قرار دیا ہے۔ جہاں تک ان کی ادبی مقام اور تنقیدی معیار کا تعلق ہے، وہ بھی ان کے نزدیک سطحی اور کمزور ہے۔ انھوں نے ان کی ادبی حیثیت کو زیادہ تر صحافیانہ نوعیت سے تعبیر کیا ہے۔ ان کے مطابق، آلِ احمد سرور کی علمی کمزوریاں روزِ روشن کی طرح واضح اور نمایاں دیکھی جاسکتی ہیں۔ اس خاکے میں اسلوب احمد انصاری نے ان کی تحقیق و تنقید کی کمزوریوں کو بے لاگ انداز میں بیان کیا ہے۔

یہ خاکہ اردو خاکہ نگاری کی اس روایت سے تعلق رکھتا ہے جسے جارحانہ، کٹیلا اور طنزیہ کہا جاسکتا ہے۔ یہ خاکہ روایتی اندازِ خاکہ نگاری سے علیحدہ ایک سخت اور بے لاگ تنقیدی رجحان کی غمازی کرتا ہے۔ اسلوب احمد انصاری کی تحریر کا یہ انداز آلِ احمد سرور سے ان کی ذاتی ناپسندیدگی اور نفرت کا شاخسانہ محسوس ہوتا ہے۔ اس خاکے کی تخلیق میں اسلوب احمد انصاری نے ذاتی مشاہدات اور تجربات سے بھی کام لیا ہے اور ایسے واقعات بھی تحریر کیے ہیں جو دیگر خاکہ نگاروں کے مطالعے یا مشاہدے میں نہیں تھے یا انھوں نے زیرِ بحث لانا مناسب نہیں سمجھا۔ یہی اس خاکے کا بنیادی پہلو یا سب سے اہم خوبی کہی جاسکتی ہے۔ وہ روایتی مدح سرائی سے گریز کرتے ہوئے آلِ احمد سرور کی شخصیت کے منفی پہلوؤں کو کھل کر بیان کرتے ہیں۔ خاکے کا مطالعہ کرتے ہوئے صاف محسوس ہوتا ہے کہ اسلوب احمد انصاری نے آلِ احمد سرور کا خاکہ کھینچتے ہوئے ان کی شخصی کمزوریوں اور اخلاقی گراوٹ کا بنیاد بنایا ہے۔ ان کا بیان ملاحظہ فرمایئے :

وہ بنیادی طور سے اور بالطبع تعلقات عامہ کے آدمی تھے۔ اور درجہ اول کے

Careerist۔ وہ جہاں بھی رہتے گردوپیش کے حالات سے باخبر رہتے اور ان میں دخل اندازی کا وہ ضرورت سے زیادہ ہی شوق رکھتے تھے۔[۲]

غالب کے اردو کلام کا انگریزی زبان میں ترجمہ کرنے کے لیے ایک سال تک پروفیسر شپ پر فائز رہے اور تنخواہ وصول کرتے رہے، لیکن ایک مصرعے کا بھی ترجمہ نہیں کیا۔ یہ تھی ان کی دیانت داری کی ایک روشن اور تابناک مثال۔[۳]

مرحوم اپنی مخالفت کا بدلہ لینے کے لیے عقب سے حملہ کرنے کی تاک میں برابر لگے رہتے تھے۔ منافقت، کینہ پروری اور ایذا رسانی ان کی شخصیت کا جزوِ اعظم تھی۔ اس سے انھیں بڑی تسکین اور راحت ملتی تھی لیکن وہ اپنی تواضع اور نرم سخنی کا رویہ بھی قائم رکھتے تھے۔[۴]

خاکے میں کئی مقامات پر مصنف کا اندازِ بیان ایسا ہے کہ قاری کو یہ احساس ہونے لگتا ہے کہ شاید خاکہ نگار آلِ احمد سرور سے کسی ذاتی رنجش کی بنیاد پر ان کی شخصیت پر حملہ آور ہو رہے ہیں، جیسے آلِ احمد سرور کی تنقیدی صلاحیتوں کے بارے میں لکھتے ہیں:

آلِ احمد سرور فی الحقیقت ادبی نقاد نہیں، ادبی صحافی تھے۔ ان کی تنقیدی تحریریں ان نگارشات سے کسی بھی طرح مختلف نہیں جو وہ ہماری زبان کے مدیر کی حیثیت سے برسوں لکھتے اور چھاپتے رہے۔ انھوں نے کوئی کتاب تو درکنار، کوئی ایک تنقیدی مضمون بھی ایسا نہیں لکھا جسے کچھ برسوں تک پڑھا جا سکے۔[۵]

موصوف نے میر کی پر سوز داخلیت اور دروں بینی کو پہچاننے کی مطلق کوئی کوشش نہیں کی اور نہ یہ پتا لگانے کی کاوش کی کہ میر کی شاعری کی دائمی اپیل کا راز کیا ہے۔[۶]

درج بالا مثالیں اسلوب احمد انصاری کی بے لاگ تنقید اور جرات مندانہ اسلوب کی مثال ہیں۔ اسلوب احمد انصاری کا اسلوبِ بیان انتہائی رواں ہے۔ سخت ترین تنقید کو بھی وہ نہایت عمدہ اور پر لطف انداز میں پیش کرتے ہیں۔ ان کے اسلوب کی بنیادی خصوصیت سادہ اور رواں ہے۔ جملے چھوٹے چھوٹے مگر بیان خیال کی روان جملوں میں دوڑتی محسوس ہوتی ہے۔ ان کے اسلوب میں روکھی پھیکی سادگی نہیں بلکہ ادبی حسن بھی موجود ہے۔ ان کے جملوں میں چھپی ہوئی تلخی اور کاٹ اسلوب کو بدمزہ ہونے نہیں دیتی۔

اسلوب احمد انصاری کے خاکے کی بنیادی خامی یہ ہے کہ اس میں آلِ احمد سرور کے بارے میں شدید ذاتی تلخی اور انتہا پسندانہ تنقید کی جھلک نمایاں ہے۔ اس سے خاکے کا معروضی توازن بگڑ جاتا ہے۔ کچھ جملے خاکے کو شخصی حملہ بنانے کا تاثر دیتے ہیں اور معروضیت سے دور لے جاتے ہیں۔ اسی طرح کہیں کہیں خاکہ کئی مقامات پر اصل موضوع سے ہٹ کر غیر ضروری فلسفیانہ مباحث میں الجھ جاتا ہے۔ اس سے قاری کی توجہ یکسوئی کی بجائے انتشار کا شکار ہوتی ہے۔ مثال کے طور پر مارکسزم اور ساختیات پر غیر ضروری بحثیں خاکے کے مجموعی تاثر کو کمزور کرتی ہیں:

> ساختیات کے ماہرین جو چاہیں کہیں لیکن واقعہ یہ ہے کہ ساختیات ایک فلسفیانہ نظام اور نقطہ نظر ہے، ادب اور تنقید ادب سے اس کا کچھ واسطہ نہیں۔[۷]

یہ بات خاکے کے مرکزی موضوع (آلِ احمد سرور کی شخصیت) سے غیر متعلق ہے۔

اسلوب احمد انصاری کا خاکہ ''آلِ احمد سرور'' اردو خاکہ نگاری کی روایت میں ایسے خاکوں میں شمار کیا جا سکتا ہے جسے متنازعہ یا جارحانہ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ اس خاکے کی نمایاں خوبی اس کا بے لاگ تنقیدی اور علمی انداز ہے جو روایتی مدح سرائی سے ہٹ کر شخصی خامیوں کو بے نقاب کرنے میں کامیاب رہا ہے۔ تاہم اس خاکے کی بنیادی کمزوری یہ ہے کہ اس میں تنقید کی حد سے تجاوز کرتے ہوئے ذاتی تلخی، انتہا پسندی، اور موضوع سے غیر متعلقہ بحثوں کی زیادتی نظر آتی ہے۔

مجموعی طور پر یہ خاکہ اپنی تمام تر خوبیوں اور خامیوں کے باوجود ایک اہم علمی دستاویز کی حیثیت رکھتا ہے، کیوں کہ یہ آلِ احمد سرور کی شخصیت کے ان پہلوؤں کو سامنے لاتا جو عام طور پر مدح سرائی کی روایت میں پوشیدہ رہتے ہیں۔ لیکن خاکہ نگاری کے معیار کے اعتبار سے خاکہ نگار کو شخصی رویہ اپنانے کی بجائے معروضی رویہ اپنانے کی ضرورت تھی تاکہ خاکہ متوازن نقطہ نظر کے ساتھ سامنے آتا اور تنقید تعصب اور ذاتی عناد کے دائرے میں داخل نہ ہوتی۔

''پروفیسر آلِ احمد سرور کی یاد میں'' از ڈاکٹر سید معین الرحمن

ڈاکٹر سید معین الرحمٰن (پ: ۵ نومبر ۱۹۴۲ء - و: ۱۵ اگست ۲۰۰۵ء) اردو زبان کے نام وَر نقاد، ادیب، محقق اور گورنمنٹ کالج لاہور کے شعبہ اردو کے پروفیسر تھے اور صدرِ شعبہ بھی رہے۔ وہ غالب پر

تحقیق کے حوالے سے خاصی شہرت رکھتے تھے۔ ان کی تصانیف میں؛ بابائے اُردو - احوال و آثار (۱۹۶۲ء)، نقد عبد الحق (۱۹۶۸ء)، اشاریہ غالب (۱۹۶۹ء)، غالب اور انقلاب ستاون (۱۹۷۴ء)، نقوش غالب (۱۹۹۵ء)، تحقیق نامہ غالب (۱۹۹۸ء) وغیرہ اہمیت کی حامل ہیں۔

ڈاکٹر سید معین الرحمٰن کا تحریر کردہ خاکہ ان کی کتاب محبتیں ہی محبتیں میں شامل ہے۔ یہ مجموعہ عاصم محمد کلیار نے الوقار پبلی کیشنز، لاہور سے ۲۰۰۳ء میں مرتب کرکے شائع کرایا۔ سید معین الرحمٰن کی آلِ احمد سرور سے دوستی یا دیرینہ تعلق تو نہیں رہا (سوائے ایک آدھ ملاقات کے) تاہم دونوں کے درمیان کچھ عرصہ خط کتابت رہی۔ سید معین الرحمٰن نے زیرِ نظر خاکے کی تیاری میں انھی خطوط سے مدد لی ہے۔ انھوں نے آلِ احمد سرور کو خطوں میں جیسا پایا یا سمجھا اسے خاکے کی صورت پیش کر دیا ہے۔

اس خاکے میں ڈاکٹر سید معین الرحمٰن نے پروفیسر آلِ احمد سرور کی شخصیت تعریفی اور توصیفی انداز میں پیش کیا ہے۔ دوسرے لفظوں میں ڈاکٹر سید معین الرحمٰن کے اس خاکے کو ایک تعزیتی خاکہ بھی کہا جاسکتا ہے کیوں کہ یہ خاکہ پروفیسر آلِ احمد سرور کی وفات کے بعد ان کی یاد میں تحریر کیا گیا تھا۔ اس خاکے کا آغاز بھی پروفیسر آلِ احمد سرور کے انتقال کی خبر سے ہوتا ہے، جس میں ان کی شخصیت کی عظمت اور ان کے ساتھ گزاری گئی یادوں کا دلگیر انداز میں تذکرہ کیا گیا ہے۔

یہ خاکہ اسلوب احمد انصاری کے خاکے کے بالکل برعکس ہے۔ ڈاکٹر معین الرحمٰن نے آلِ احمد سرور کے ساتھ اپنی ذاتی محبت، عقیدت اور دلی وابستگی کا اظہار کیا ہے۔ یہ خاکہ ڈاکٹر سید معین الرحمٰن نے پروفیسر آلِ احمد سرور کی شخصیت، خدمات اور ذاتی یادوں کے تناظر میں انتہائی جذباتی اور تعریفی انداز میں تحریر کیا ہے۔ انھوں نے آلِ احمد سرور کی وفات پر افسوس کا اظہار کیا اور ان سے ذاتی تعلق اور قربتوں کا تفصیلی ذکر کیا۔ آلِ احمد سرور کے گھریلو اور ذاتی زندگی کے واقعات (مثلاً داماد کا انتقال) بڑی دردمندی سے بیان کیے گئے۔ ان کی علمی اور ادبی خدمات کو احترام اور عقیدت سے دیکھا اور ان کے کردار کی عظمت کو نمایاں کیا۔ معین الرحمٰن کا انداز جذباتی، گہرا، اور تعظیم آمیز ہے۔ اس میں تحقیقی سے زیادہ ذاتی اور جذباتی بیانات کی کثرت نظر آتی ہے۔

ڈاکٹر سید معین الرحمٰن کا تحریر کردہ خاکہ ''پروفیسر آلِ احمد سرور کی یاد میں'' بنیادی طور پر شخصی جذبات، یادوں، اور گہری عقیدتوں پر مشتمل ہے۔ اس خاکے میں انھوں نے پروفیسر آلِ احمد سرور کی علمی،

ادبی اور شخصی زندگی کے متعدد پہلوؤں کو بہت محبت، احترام اور اپنائیت کے ساتھ پیش کیا ہے۔ اس تحریر کا بنیادی وصف یہی ہے کہ مصنف کی والہانہ محبت اور گہری عقیدت، خاکے کے ہر جملے سے عیاں ہے۔ ان کی تحریر اس محبت میں سرشار نظر آتی ہے جو انھوں نے آلِ احمد سرور کے لیے محسوس کی۔ مثال کے طور پر ان کا یہ بیان قابلِ ذکر ہے:

> یہ بات میرے اور زہرا کے لیے حد درجہ اہتزاز اور انبساط کا باعث ہوئی، جب ۱۹۹۶ء میں ان کی کتاب "کچھ خطبے، کچھ مقالے" چھپ کر آئی، جس کے انتسابی لفظ یہ تھے: اپنی شریکِ حیات کے نام![۸]

یہ حوالہ اس محبت اور احترام کو اجاگر کرتا ہے جو آلِ احمد سرور نے اپنی شریکِ حیات کے لیے ظاہر کیا اور ڈاکٹر سید معین الرحمٰن کے لیے یہ بات اس قدر اہمیت رکھتی تھی کہ انھوں نے اسے نمایاں طور پر ذکر کیا۔ ڈاکٹر سید معین الرحمٰن کا یہ خاکہ شخصی یادوں، خط وکتابت کے اقتباسات اور چھوٹی چھوٹی تفصیلات سے مزین ہے۔ مثال کے طور پر:

> ۱۶ جنوری ۱۹۷۸ء کے ایک خط میں سرور صاحب نے علی گڑھ سے مجھے لکھا:
> آپ کی بیگم سے مل کر بڑی خوشی ہوئی۔ پرانا محاورہ ہے، مگر بر محل۔ خدا چاند سورج کی یہ جوڑی سلامت رکھے۔ یہاں سے ہر کوئی چیز منگانی ہو تو بے تکلف لکھیں۔ میں آپ کو اپنے ہی خاندان کا ایک فرد سمجھتا ہوں۔ بیوی آپ دونوں کو دُعا کہتی ہیں۔[۹]

یہ اندازِ بیان خاکے کو شخصی گہرائی عطا کرتا ہے اور اس کے ذریعے آلِ احمد سرور کی معین الرحمٰن سے تعلق کی نوعیت بھی سامنے آتی ہے۔ معین الرحمٰن نے آلِ احمد سرور کی علمی اور تنقیدی اہمیت کو واضح طور پر بیان کیا ہے۔ ان کا یہ جملہ دیکھیں:

> اگر اُردو میں مقبول اور معقول ترین نقادوں کی درجہ بندی کے نقطۂ نظر سے کوئی مطالعہ (اسٹڈی) ہو تو مجھے یقین ہے کہ سرور صاحب کو سب سے زیادہ کوٹ کیے جانے اور سب سے زیادہ قابلِ اقتباس نقاد ہونے کا اعزاز اور امتیاز حاصل ہوگا۔[۱۰]

> شائستگی و شگفتگی اور تعقل و تحمل کے ساتھ، دل آزاری کے بغیر، دل نشین اسلوب اور پیرائے میں بے لاگ رائے دینے کا ایسا تخلیقی ہنر اور سحر، ان کی ذات اور ان کے قلم سے منسوب اور مخصوص ہے۔"

ڈاکٹر سید معین الرحمٰن کا یہ خاکہ زیادہ تر جذباتی اظہار پر مشتمل ہے جس سے خوشامد یا مدحیہ انداز زیادہ جھلکتا ہے۔ خاکے میں غیر شخصی، معروضی، تجزیاتی یا تحقیقی پہلو کے عناصر نہ ہونے کے برابر ہیں۔ جس کی وجہ سے خاکے میں دلچسپی اور کشش ماند پڑ گئی ہے۔ خاکے میں تنقیدی رجحان بھی نہ ہونے کے برابر ہے۔ جو تنقیدی جملے بھی نظر آتے ہیں وہ تنقیدی سے زیادہ شبلی کے الفاظ میں مدلل مداحی یا کتاب المناقب لگتے ہیں۔

یہ خاکہ ایک رسمی تعزیتی خط کی طرح لگتا ہے۔ خاکہ بعض اوقات تکرار اور غیر ضروری ذاتی نوعیت کی تفصیلات میں الجھ جاتا ہے، جس سے قاری کی توجہ بکھر جاتی ہے۔ جیسے متعدد خطوط کا تفصیلی ذکر:

> ۱۴ نومبر ۱۹۹۵ء کے ایک خط میں منجملہ دوسری ذاتی باتوں کے میں نے سرور صاحب کو ضمناً لکھا کہ:
>
> بیگم زاہدہ سرور کے نام آپ کا کوئی انتساب میری نظر میں نہیں۔ ان کی خدمت میں ہم سب اہلِ خانہ کی جانب سے سلام محبت۔"[۱۳]

یہ تفصیلات اگرچہ ذاتی سطح پر دلچسپ ہیں، مگر خاکے کے مجموعی تاثر کو کمزور کرتی ہیں۔ خاکہ صرف مثبت اور تعریفی بیانات تک محدود ہے۔ خاکہ نگاری کا تقاضا ہوتا ہے کہ شخصیت کے تمام پہلوؤں کو اعتدال سے واضح کیا جائے، مگر اس خاکے میں تنقیدی پہلو نہ ہونے کے برابر ہیں۔

ڈاکٹر سید معین الرحمٰن کا خاکہ "پروفیسر آلِ احمد سرور کی یاد میں" محبت، عقیدت اور ذاتی جذبات کا آئینہ دار ہے۔ اس میں آلِ احمد سرور کی علمی و ادبی اہمیت، ان کی شخصیت کی دلکشی، اور انسان دوستی کو نہایت مؤثر انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ تاہم اس خاکے کی کمزوری یہ ہے کہ اس میں تنقیدی یا معروضی پہلوؤں کی کمی ہے اور یہ خاکہ زیادہ تر ذاتی جذبات اور عقیدتوں پر مبنی ہے۔ خاکہ اپنی تمام تر جذباتی اور شخصی رنگ آمیزی کے باوجود آلِ احمد سرور کی شخصیت کی دلکشی اور جاذبیت کو تخلیق کرنے میں ناکام رہا ہے۔ خاکہ نگاری کے فن کو پیش نظر رکھا جائے تو خاکہ معروضیت اور شخصیت کے تمام پہلوؤں کو بیان کرنے کے اعتبار

سے اس خاکے میں مزید گہرائی اور تنوع کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔

"آلِ احمد سرور" از عابد سہیل

عابد سہیل اُتر پردیش کے ضلع جالون کے شہر اورئی میں ۱۷ نومبر ۱۹۳۲ء کو پیدا ہوئے۔ ان کی ساری زندگی ادب اور صحافت کے ذریعے سماج کی منفی طاقتوں سے مقابلہ کرنے میں گزری۔ عابد سہیل کمیونسٹ پارٹی کے ایک فعال کارکن تھے اور انھوں نے عملی طور پر پارٹی کی نظریاتی توسیع کی سرگرمیوں میں حصہ لیا۔ انھوں نے نیشنل ہالرائڈ اور قومی آواز جیسے اخباروں میں کام کیا اور اپنے صحافتی کاموں کے ذریعے یادگار خدمات انجام دیں۔

عابد سہیل نے افسانوں کے علاوہ مشہور علمی و ادبی شخصیات کے خاکے بھی لکھے، جن کے مجموعے کھلی کتاب (۲۰۰۴ء) اور پورے، آدھے ادھورے (۲۰۱۵ء) میں شائع ہوئے۔ آلِ احمد سرور سے تعلق کے حوالے سے یہ کہا جا سکتا ہے کہ عابد سہیل اور آلِ احمد سرور دونوں ہی ترقی پسند تحریک کے اہم نمائندے تھے۔ دونوں کی تحریروں میں سماج کے مسائل کی کھل کر عکاسی کی جاتی تھی اور وہ ادب کو سماجی تبدیلی کا ایک ذریعہ سمجھتے تھے۔ عابد سہیل کا کمیونسٹ یا ترقی پسند تحریک سے گہرا تعلق تھا، اور انھوں نے اپنے ادب اور صحافت میں ان تحریکوں کی حمایت کی تھی۔

عابد سہیل کا خاکہ "آلِ احمد سرور" ان کے مجموعے کھلی کتاب (۲۰۰۴ء) میں شامل ہے جو کاکر بھی پریس لکھنو سے شائع ہوئی۔ عابد سہیل نے پروفیسر آلِ احمد سرور کے خاکے میں ان کی ترقی پسند تحریک سے وابستگی اور ادب میں کمیونسٹ نظریات کی پیش کش کے حوالے سے دیکھنے کی کوشش کی ہے۔ انھوں نے اس خاکے میں پروفیسر سرور کی سیاسی وابستگی، ادبی نظریات، اور ان کی شخصیت کے مختلف پہلوؤں کو بڑی عرق دلی اور باریک بینی سے بیان کیا ہے۔ اس خاکے میں ان کی ترقی پسند فکر، ادب کے حوالے سے ان کا نظریہ، اور سماجی انصاف کے لیے ان کی جدوجہد کو اجاگر کیا گیا ہے۔

عابد سہیل کے خاکے میں توازن اور اعتدال نمایاں ہے۔ انھوں نے آلِ احمد سرور کے ساتھ اپنی ذاتی یادوں کو تفصیلاً بیان کیا اور ان کی شخصیت کے مثبت اور منفی پہلوؤں کو اعتدال کے ساتھ پیش کیا۔

عابد سہیل کے نزدیک آلِ احمد سرور ترقی پسند ادب کے حامی تھے مگر ان کی ترقی پسندی بہت نرم، متوازن اور مصلحت آمیز تھی۔ آلِ احمد سرور کی زود رنجی، مزاج کی سنجیدگی، اور موقع پر جذبات کے شدید

اظہار کو بیان کیا۔ عابد سہیل نے لکھنؤ کے ادبی ماحول میں آلِ احمد سرور کے کردار کو موثر اور دلچسپ انداز سے بیان کیا ہے۔ غالباً عابد سہیل کا آلِ احمد سرور سے ملاقاتیں اس دوران رہیں جب وہ لکھنو یونیورسٹی میں استاد رہے۔ اس وقت عابد سہیل اور ان کی ملاقاتیں ہوا کرتی تھیں۔ اور انھی ملاقاتوں اور یادوں کا سہارا لے کر عابد سہیل نے ان کا خاکہ تحریر کیا ہے۔ ان کا خاکہ تجزیاتی کم اور یادداشتوں پر مبنی بیانیہ زیادہ ہے۔ اعتدال، توازن اور دیانت داری ان کے خاکے کی خاص پہچان ہے۔

عابد سہیل کا خاکہ "آلِ احمد سرور" پروفیسر آلِ احمد سرور کی شخصیت کے گہرے اور غیر رسمی مطالعے پر مبنی ہے۔ اس خاکے کی خصوصیت اس کا عام فہم، سادہ اور رواں اسلوب ہے جس میں شخصی تفصیلات، چھوٹے چھوٹے واقعات اور خاکہ نگار کے ذاتی تجربات کو نہایت بے تکلفی کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔ عابد سہیل نے آلِ احمد سرور کے ساتھ اپنی طویل رفاقت کو بنیاد بنا کر ان کی شخصیت کو مختلف جہتوں سے روشناس کرایا ہے۔

اس خاکے کی ایک بڑی خوبی شخصی تفصیلات کا بیان اور گہرا مشاہدہ ہے۔ عابد سہیل نے آلِ احمد سرور کے جسمانی خدوخال، اندازِ گفتگو، عادات واطوار، اور روزمرہ کی تفصیلات کو بڑی مہارت سے پیش کیا ہے۔ دوسرے لفظوں میں یہ کہہ لیجیے کہ انھوں نے پورے آلِ احمد سرور کو پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ مثلاً خاکہ کے آغاز میں لکھتے ہیں:

> گوراچٹا رنگ، میانہ قد، چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ، آنکھوں میں علم اور ذہانت کی
> چمک اور ہونٹوں پر پان کی ہلکی سی سرخی۔[۱۳]

یہ اقتباس خاکہ نگار کی باریک بینی اور آلِ احمد سرور کی شخصیت کے بصری پہلو کو نمایاں کرتا ہے۔ عابد سہیل کے خاکے کا اسلوب بے تکلف اور غیر رسمی ہے۔ وہ کسی فلسفیانہ یا علمی تصنع کے بغیر نہایت سادہ اور رواں زبان میں بات کرتے ہیں۔ مثلاً ایک جگہ اپنی نوجوانی کے زمانے کو یاد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ادب سے کچھ خاص دلچسپی نہ تھی لیکن یہ ضرور تھا کہ جو کچھ ہاتھ لگتا پڑھ ڈالتا تھا۔
> اُس وقت تک کسی ادبی جلسے میں شرکت نہ کی تھی اور جدید و قدیم، ترقی پسندی،
> ادب برائے ادب اور ادب برائے زندگی قسم کی اصطلاحات یا نیم اصطلاحات سے
> شناسائی بھی نہ تھی۔[۱۴]

یہ اقتباس خاکے کی سادگی اور بے تکلفی کا خوب صورت اظہار ہے۔ خاکہ نگار نے آلِ احمد سرور کے ساتھ گزرے واقعات کو نہایت مؤثر اور دلچسپ انداز میں پیش کیا ہے۔ ان واقعات کے ذریعے آلِ احمد سرور کی شخصیت کے مختلف پہلوؤں کو اجاگر کیا گیا ہے۔ مثال کے طور پر آلِ احمد سرور کی زود رنجی اور غصے کے حوالے سے لکھتے ہیں:

> کھانے میں شاید مرچ زیادہ تھی۔ سرور صاحب نے پہلا ہی لقمہ لیا تو ہلکی سی 'سی' کی آواز اُن کے مونہہ سے نکلی۔ آواز سنتے ہی جمال کی رگِ شرارت پھڑکی اور انھوں نے آہستہ سے کہا "سالن میں پسی ہوئی بجلیاں پڑی ہوئی ہیں"۔ سرور صاحب کا چہرہ سرخ ہو گیا اور انھوں نے نہایت درشت لہجے میں کہا "جمال صاحب اپنی حیثیت سے بڑھ کر بولنے کی کوشش نہ کیجئے ورنہ نہایت سختی سے پیش آؤں گا۔" جمال نے موقع کی نزاکت کا اندازہ کرتے ہی اظہارِ معذرت کے طور پر سرور صاحب کا پیر پکڑنے کے لیے کرسی پیچھے کی لیکن انھوں نے اس کی نوبت نہ آنے دی اور بات رفت گزشت ہو گئی۔[۱۵]

یہ واقعہ آلِ احمد سرور کی شخصیت کی ایک نمایاں خصوصیت (زود رنجی) کو واضح کرتا ہے۔

عابد سہیل کا خاکہ نہ تو محض مدح سرائی ہے اور نہ ہی بلاوجہ کی تنقید۔ انھوں نے آلِ احمد سرور کی خوبیوں اور خامیوں دونوں کو متوازن انداز میں پیش کیا ہے۔ آلِ احمد سرور کی علمی و ادبی خدمات کا ذکر بھی کیا ہے اور ان کے مزاج کی تنگی اور زود رنجی کو بھی پیش کیا ہے لیکن ان کا جھکاو ان کی شخصیت کی شکست و ریخت کی طرف نہیں رہا۔ مثلاً لکھتے ہیں:

> ان کی شخصیت میں اس بلا کی کشش تھی کہ وہ سامنے ہوں تو کوئی اُن سے آزردہ خاطر مشکل ہی سے رہ سکتا تھا۔ اُن کی ایک مسکراہٹ بڑی سے بڑی خفگی کو بے دست و پا کر دیتی تھی اور۔
>
> دل سے تو ہر معاملہ کرکے چلے تھے صاف ہم
> کہنے میں اُن کے سامنے بات بدل بدل گئی
>
> والی صورت پیدا ہو جاتی تھی۔[۱۶]

یہاں ان کی شخصی کشش اور محبوبیت کو منصفانہ طور پر بیان کیا گیا ہے۔ خاکے میں کئی جگہوں پر واقعات اور ذاتی تفصیلات کا بیان طویل ہو گیا ہے جس سے قاری کی دلچسپی متاثر ہوتی ہے۔ مثلاً انجمن ترقی پسند مصنفین کے اجلاسوں کی طویل تفصیلات اور سوویت یونین کے بارے میں ڈاکٹر فریدی کی تقریر کا طویل ذکر خاکے کی روانی کو متاثر کرتا ہے۔ یہاں یہ تفصیل خاکے کے بنیادی موضوع (آلِ احمد سرور کی شخصیت) سے براہِ راست متعلق نہیں۔ خاکہ نگار نے واقعات کو بیان کرنے میں دلچسپ انداز تو اپنایا ہے لیکن آلِ احمد سرور کی ادبی، تنقیدی اور علمی حیثیت پر تفصیلی اور گہرا تبصرہ کرنے سے گریز کیا ہے۔ خاکے میں آلِ احمد سرور کی علمی و تنقیدی خدمات کا ذکر بہت سطحی اور عمومی ہے۔ بعض مقامات پر خاکہ واقعات کی بے ربطی اور بکھراو کا شکار ہو گیا ہے۔ کئی واقعات غیر فطری ترتیب سے پیش ہوئے ہیں جس سے خاکے کا مجموعی تاثر زائل ہوا ہے۔ مثال کے طور پر خاکہ کے آخر میں جمالیات اور الجبرا سے متعلق دو الگ الگ واقعات کے فطری بہاو میں رکاوٹ ڈالتے ہوئے محسوس ہوتے ہیں۔

مجموعی طور پر عابد سہیل کا خاکہ ''آلِ احمد سرور'' اپنی بے تکلفی، شخصی تفصیلات کی بھرپور تصویر کشی اور سادہ و عام فہم اندازِ بیان کے سبب دلچسپ بھی ہے اور متاثر کن بھی۔ اس خاکے کی سب سے اہم خوبی اس کا ذاتی، دوستانہ اور بے تکلفانہ انداز ہے جو آلِ احمد سرور کی شخصیت کو قریب سے جاننے کا احساس دلاتا ہے۔ واقعات نگاری اور ذاتی تجربات کو مؤثر انداز میں استعمال کر کے خاکہ نگار نے ایک جاندار اور جیتا جاگتا خاکہ پیش کیا ہے۔

خاکہ مزید موثر اور دلچسپ ہو سکتا تھا اگر خاکہ نگار بعض مقامات پر داخل کی گئی غیر ضروری تفصیلات، واقعات کی بکھری ہوئی ترتیب اور آلِ احمد سرور کی علمی و تنقیدی خدمات کا بیان سطحی انداز میں نہ کرتا۔ ان خامیوں سے قطع نظر یہ خاکہ آلِ احمد سرور کی شخصیت کے مختلف پہلوؤں کو روشن اور نمایاں کرتا ہے۔ مجموعی طور پر عابد سہیل کا خاکہ ''آلِ احمد سرور'' ایک مؤثر اور دلچسپ خاکہ ہے جو قارئین کو آلِ احمد سرور کی شخصیت سے قریب تر لانے میں کامیاب ہوا ہے۔

''آلِ احمد سرور'' از شمیم حنفی

پروفیسر شمیم حنفی اردو کے بلند پایہ نقاد، دانش وَر، ادیب اور ڈرامہ نگار ہیں۔ ۱۹۶۹ء میں آپ کا تقرر علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں بحیثیت لیکچرر ہو گیا۔ علی گڑھ کی علمی و ادبی فضاؤں نے انھیں نئی قوت

پرواز عطا کی اور یہیں سے انھوں نے ۱۹۷۶ء میں پروفیسر آلِ احمد سرور کی نگرانی میں دوہرے امتیازات کے ساتھ ڈی لٹ کی باوقار سند حاصل کی۔ شمیم حنفی کا علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں قیام کے دوران پروفیسر آلِ احمد سرور سے قریبی تعلق رہا۔ آپ کی چند تصانیف کے نام یہ ہیں؛ہزار داستان (فراق گورکھپوری کے ایک ہزار اشعار کا انتخاب ۶۵ــ۱۹۶۴ء)، مرزا غالب:سوانح (اردو ہندی ۱۹۶۵ء)، جواہر لال نہرو - سوانح (اردو ہندی ۱۹۶۵ء)، قومی یکجہتی اور سیکولرازم (ترجمہ ۱۹۷۵ء)، جدیدیت کی فلسفیانہ اساس (تنقیدی مقالہ برائے ڈی لٹ جلد اول، ۱۹۷۷ء)، شعری روایت (تنقیدی مقالہ برائے ڈی لٹ جلد دوم، ۱۹۷۸ء)، مٹی کا بلاوا (ریڈیائی ڈراموں کا مجموعہ، ۱۹۸۱ء)، غزل کا نیا منظر نامہ (۱۹۸۱ء)۔

شمیم حنفی کا خاکہ ''آلِ احمد سرور'' ان کے خاکوں کے مجموعے ہم نفسوں کی بزم میں شامل ہے۔ یہ مجموعہ ۲۰۰۶ء میں مکتبہ جامعہ لمیٹڈ نئی دہلی سے شائع ہوا۔ یہ خاکہ پروفیسر آلِ احمد سرور کی شخصیت، مزاج، عادات، اور نظریات کا نہایت گہرا، تہذیبی، اور نفسیاتی مطالعہ ہے۔ یہ خاکہ آلِ احمد سرور کے مزاج کی گہرائیوں میں اتر کر ان کی شخصیت کے ان پہلوؤں کو نمایاں کرتا ہے جن کا اظہار عام طور پر دیگر خاکوں میں سطحی انداز میں ہوا ہے۔ شمیم حنفی نے اپنے خاکے میں آلِ احمد سرور کے شخصی وقار، تہذیبی رواداری، علمی انہماک، اور ان کی مخصوص جمالیاتی حس کو نہایت موثر انداز میں پیش کیا ہے۔

ان دونوں شخصیات کا تعلق اور ذہنی و فکری وابستگی خاکے کے لفظ لفظ سے عیاں ہے۔ آلِ احمد سرور نے شمیم حنفی کی ادبی و فکری نشوونما اور ترقی میں اہم کردار ادا کیا، شمیم حنفی نے اس کا اعتراف بھی کیا ہے۔ شمیم حنفی نے پروفیسر آلِ احمد سرور کو جیسا پایا، سمجھا اور محسوس کیا، ویسا ہی خاکے میں پیش کر دیا۔ انھوں نے اپنے خاکے میں سرور صاحب کو شخصی سطح پر بھی اور علمی حوالے سے بھی پیش کیا ہے۔ اس خاکے کے بنیادی ستون تین ہیں: پروفیسر آلِ احمد سرور کی علمی بصیرت، انسان دوستی اور نظریاتی وابستگی۔ اسی تناظر میں انھوں نے آلِ احمد سرور کو پیش کیا ہے۔

شمیم حنفی نے آلِ احمد سرور کو ایک مثبت انسان، نفیس شخصیت اور عالم کے طور پر پیش کیا۔ انھوں نے آلِ احمد سرور کے خاکے میں ان کی اخلاقی اقدار علمی خدمات، اور رواداری، قوت برداشت، رواداری اور ان کے تحمل مزاجی پر کو زیرِ بحث لائے ہیں۔ ان کی علمی مجالس اور نوجوانوں کے ساتھ شفقت اور مباحثے کے دوران رواداری کا ذکر خاص طور پر کیا ہے۔ شخصیت کی گہرائی اور دانشوری کے عناصر کو بہت خوب صورتی

سے بیان کیا۔

خاکہ نگار نے آلِ احمد سرور کی شخصیت کا صرف خارجی تعارف نہیں کروایا بلکہ ان کے ذہنی اور جذباتی رد عمل کو بھی عمدگی سے پیش کیا ہے۔ مثلاً برفباری کے موسم میں ایک تقریب کا منظر بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

> مشکل سے پندرہ، بیس لوگ رہے ہوں گے۔ چند خواتین، دو چار اساتذہ، کچھ طالب علم۔ جلسہ شروع ہوتے ہوتے اس تعداد میں دس پانچ کا اور اضافہ ہو گیا۔ سرور صاحب ایسے مطمئن اور مسرور دکھائی دیتے تھے جیسے سب کچھ معمول کے مطابق ہے۔ ہر عمل میں وہی انہماک اور گرم جوشی اور دبی دبی سی مسرت کا تاثر۔ نہ موسم سے شکایت نہ کسی سے یہ گلہ کہ آیا کیوں نہیں۔ پرچے پڑھے گئے، بحثیں ہوئیں۔[۱۷]

شمیم حنفی کا اسلوب نہایت شاعرانہ، ادبی، اور دلکش ہے۔ وہ جملوں کی ساخت، الفاظ کے انتخاب اور منظر نگاری میں ایک خاص سلیقے سے کام لیتے ہیں۔ خاکے کا آغاز ہی بہت خوب صورت انداز میں کرتے ہیں :

> برفباری دیر سے ہو رہی تھی۔ جہاں تک نگاہ جاتی تھی آسمان سے سفید پتیاں سی گرتی دکھائی دیتی تھیں۔ لوگ گھروں میں ٹھٹھرے سمٹے بیٹھے تھے۔ دور اور پاس کے سارے پربتوں پر ایک دھند سی چھائی ہوئی۔ سامنے سڑک پر اکادکا راہ گیر چھتری سنبھالے، فرن میں ملفوف تیز تیز قدموں سے چلتا، پل بھر کے لیے نظر آتا پھر گم ہو جاتا۔ کمرے میں بخاری جل رہی تھی۔[۱۸]

اس طرح کے شاعرانہ اسلوب سے خاکے میں جاذبیت اور جمالیاتی کشش پیدا ہوئی ہے۔ شمیم حنفی نے آلِ احمد سرور کی علمی شخصیت، علمی انہماک اور علمی و ادبی تقریبات میں ان کی بھرپور شمولیت اور دلچسپی کو بھی نمایاں انداز میں پیش کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں :

> ایسے موقعوں پر جب بھانت بھانت کا ادیب، شاعر، عالم اور دانشور جمع ہو، سرور صاحب ہمیشہ سے زیادہ مسرور، پرجوش، چاق و چوبند دکھائی دیتے ہیں۔ ذہن ان مسائل اور خیالات کے ہجوم میں گھرا ہوا جن پر سوچ بچار کے لیے لوگ آئے

ہوئے ہیں۔ اجتماع کے خاتمے پر بھی طالب علموں، رفیقوں اور مہمانوں سے انھی سوالات پر گفتگو جو بحث کے دوران اٹھائے گئے، یا بے جواب رہ گئے۔ بات چیت اور تحریر و تقریر کی مصطلح حسب توقع رہی تو چہرے کی طمانیت میں کچھ اور اضافہ۔[۱۹]

اسی طرح آلِ احمد سرور کے نظریاتی گہرائی اور شخصی رواداری کو بھی خاکے میں پیش کیا ہے۔ ان کے خیال میں ان دونوں کے حسین امتزاج سے ہی ان کی شخصیت کی تشکیل ہوئی ہے۔ وہ ان کے تحمل، برداشت، اور دوسروں کے نظریات کے احترام کے پہلوؤں کو نمایاں کرتے ہیں:

بے تکلف گفتگو میں بھی میں بھی اشخاص یاافراد پر تبصرے سے وہ گریز کرتے ہیں اور یہ گریز ہو سکتا ہے بھی شعوری بھی رہا ہو، اب سرور صاحب کی عادت کا حصہ بن چکا ہے۔ ایسا نہیں کہ سرور صاحب کسی پیغمبرانہ عفو کے عادی یا نا معقولیت کی پہچان سے عاری ہوں لیکن ان کی سرشت میں ایک ایسی رواداری ہے جو برسوں کی ریاضت نفس کا حاصل ہوتی ہے۔ اپنے بعض غالی معترضین کے کمال کا اعتراف بھی سرور صاحب نے۔[۲۰]

یہ اقتباس آلِ احمد سرور کی رواداری اور کشادہ ذہنی کا موثر اظہار ہے۔ خاکے میں براہِ راست پیش کیے گئے واقعات کی تعداد نسبتاً کم ہے۔ خاکہ زیادہ تر تجزیاتی اور تاثراتی انداز میں لکھا گیا ہے۔ چوں کہ شمیم حنفی صاحب ایک نقاد ہیں اسی لیے ان کا تحریر کردہ خاکہ بھی کہیں کہیں تنقیدی مضمون کی جھلک دکھاتا ہے۔ خاکے میں بعض اوقات ٹھوس واقعات کی کمی محسوس شدت سے محسوس ہوتی ہے۔ اگر خاکے کی تشکیل و تعمیر میں واقعات اور یادداشتوں کا زیادہ سہارا لیا جاتا تو خاکہ مزید موثر اور دلچسپ ہو سکتا تھا۔ دوسری اور اہم بات یہ کہ چوں کہ سرور صاحب، شمیم حنفی کے استاد رہے ہیں اور نظریاتی ہم نوا رہے ہیں اس لیے ان کے خاکے میں جانبداری اور شخصی جھکاو زیادہ نظر آتا ہے۔

عابد سہیل کا خاکہ ''آلِ احمد سرور'' کے مقابلے میں شمیم حنفی کا خاکہ ''آلِ احمد سرور'' زیادہ گہرا، پختہ اور تجزیاتی ہے۔ عابد سہیل کے خاکے میں عام فہم، سادہ، اور واقعاتی اسلوب ہے جب کہ شمیم حنفی کے خاکے میں تہذیبی، علمی، اور نفسیاتی گہرائی نمایاں ہے۔

اسلوب احمد انصاری کے خاکے ''پروفیسر آلِ احمد سرور'' کے مقابلے میں شمیم حنفی کا خاکہ مہذب،

اور رواداری ہے۔ انصاری صاحب کے خاکے میں آلِ احمد سرور کی شخصیت کے منفی پہلوؤں پر زیادہ زور ہے جب کہ شمیم حنفی نے آلِ احمد سرور کی شخصیت کی مثبت، روادار اور علمی خوبیوں کو اجاگر کرنے پر زور دیا ہے۔

شمیم حنفی کا خاکہ پروفیسر آلِ احمد سرور کی شخصیت کے نفسیاتی، علمی، اور تہذیبی پہلوؤں کا نہایت گہرا اور خوب صورت اظہار ہے۔ اس خاکے کی سب سے بڑی خوبی اس کی تہذیبی اور نظریاتی گہرائی ہے۔ شمیم حنفی نے آلِ احمد سرور کے مزاج، علمی انہماک، تحمل و برداشت، اور نظریاتی رواداری کو نہایت عمدہ طریقے سے واضح کیا ہے۔ یہ خاکہ اپنی تحریری خوب صورتی، نفسیاتی گہرائی، اور شخصی بصیرت کی وجہ سے ممتاز حیثیت رکھتا ہے۔ تاہم چند مقامات پر واقعات کی کمی اور تجریدیت کے زیادہ استعمال سے کچھ خلل بھی پیدا ہوا ہے۔ مجموعی طور پر یہ ایک نہایت عمدہ، دلکش، اور مؤثر خاکہ ہے جو آلِ احمد سرور کی شخصیت کے اہم پہلوؤں کو بھرپور طور پر واضح کرتا ہے۔

''پروفیسر آلِ احمد سرور'' از نورالحسن نقوی

نورالحسن نقوی ۲ مئی ۱۹۳۳ء کو امروہہ میں پیدا ہوئے۔ انھوں نے علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے تعلیم حاصل کی اور دہلی یونیورسٹی سے ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی۔ ۲۷ سال تک علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں تدریسی خدمات انجام دیں۔ ان کی تصانیف میں کلیاتِ مصحفی، غالب کی مختصر سوانح حیات اور فلسفہ جمال اور اردو شاعری معروف ہیں۔ نورالحسن نقوی نے اردو ادب کی تاریخ، تنقید، تدوین اور ترجمہ کے میدان میں اہم کام کیا۔

نورالحسن نقوی کا قلمی مرقع تصویریں اجالوں کی ۱۹۹۹ء میں ایجوکیشنل بک ہاؤس شمشاد مارکیٹ علی گڑھ سے شائع ہوا۔ نورالحسن نقوی کا قلمی مرقع تصویریں اجالوں کی اپنے عہد کی ممتاز علمی، ادبی اور تہذیبی شخصیات کے دلکش خاکوں پر مشتمل ہے۔ زیرِ نظر خاکہ ''پروفیسر آلِ احمد سرور'' آلِ احمد سرور کی زندگی کے کئی اہم پہلوؤں، شخصیت کی خصوصیات، علمی و ادبی خدمات، اور ذاتی زندگی کے واقعات کو ایک گہرے تعلق، محبت آمیز لہجے، اور شگفتہ انداز میں پیش کرتا ہے۔ نقوی صاحب نے آلِ احمد سرور کی ذات اور شخصیت کا نہایت قریبی اور مکمل مشاہدہ پیش کیا ہے۔

نورالحسن نقوی نے آلِ احمد سرور کا خاکہ انھوں نے وضع دارانہ اور احترام کے جذبات کی آمیزش سے تحریر کیا ہے۔ جس میں ان کی علمی خدمات، شخصی اوصاف کے ساتھ ساتھ کمزوریوں کو بھی احاطہ تحریر

میں لائے ہیں۔ نور الحسن نقوی نے آلِ احمد سرور کو ایک اصول پسند، بااخلاق اور پُر کشش شخصیت کے طور پر پیش کیا ہے۔

انھوں نے آلِ احمد سرور کی زندگی کے ذاتی، علمی اور انتظامی پہلوؤں کو تفصیل سے بیان کیا۔ سرور صاحب کی اصول پسندی، ایمانداری اور ادبی خدمات کا ذکر نہایت احترام سے کیا اور چند انتظامی کمزوریوں (تاریخ ادب اردو وغیرہ) سے بھی پردہ اٹھایا لیکن وضع داری کا دامن ہاتھ سے جانے نہ دیا۔ نور الحسن نقوی کی تحریر متوازن، تحقیقی اور معتدل ہے۔

نور الحسن نقوی کا اسلوب ان کے مزاج اور شخصیت کی طرح سادہ اور خوب صورت ہے۔ ان کے ہاں نہ تشبیہات واستعارات کے پیچ ہیں نہ دیگر ادبی وسائل کی کاری گری نظر آتی ہے۔ جملے سادہ اور رواں ہیں جو پڑھنے والے کو ابہام اور الجھن میں ڈالے بغیر مطلب تک رسائی دیتے ہیں۔ مثلاً آلِ احمد سرور سے پہلی ملاقات کی کیفیت بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں:

> اس دن سرور صاحب کی بس ایک جھلک دیکھی تھی۔ دو ایک مہینے بعد قریب سے دیکھا تو پہلی نظر میں پہچان نہ سکا۔ جلیل صاحب کا مکان جو آرٹس فیکلٹی کے پیچھے ہے، آج بھی جلیل ہاؤس کہلاتا ہے۔ اس وقت اس کے دو بڑے بڑے حصے تھے۔ ایک زنانہ دوسرا مردانہ۔ ایک شام جلیل صاحب سے ملنے گیا۔ دروازے پر دستک دی۔ ایک صاحب باہر نکلے۔ میں نے جلیل صاحب کو پوچھا۔ انھوں نے بتایا ”جلیل صاحب تو دوسرے حصے میں رہتے ہیں۔ یہاں تو آلِ احمد سرور رہتا ہے۔“ یہ سرور صاحب تھے۔[۲۱]

اس خاکے کی نمایاں خوبی یہ ہے کہ نقوی صاحب نے آلِ احمد سرور کے ساتھ گزرے ذاتی واقعات اور مشاہدات کو براہِ راست شامل کیا ہے۔ مثلاً:

> اُسی زمانے میں یہ بھی سننے میں آیا کہ درانی صاحب نے ذاکر صاحب کے توسط سے دیوانِ غالب کے انگریزی ترجمے اور نول کشور پر انگریزی میں ایک کتاب کی تیاری کا کام سرور صاحب کو سونپا تھا جو مکمل نہ ہو سکا۔ اس سے صاحب کو شرمندگی ہوئی اور درانی صاحب نے یہ کام ہارورڈ یونیورسٹی کے حوالے کر دیا۔ سرور صاحب کا بیان

ہے کہ انھوں نے دونوں کام مکمل کر دیے تھے۔[۲۲]

دیوانِ غالب کے ترجمے کا بیان اسلوب احمد انصاری نے بھی کیا ہے اور نقوی صاحب نے بھی۔ اسلوب صاحب کے موقف کو اس گمان پر کہ ممکن ہے دونوں میں معاصرانہ چشمک رہی ہو، نظر انداز کیا جا سکتا تھا لیکن نورالحسن نقوی کا متذکرہ بیان دال میں کچھ کالے کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ اس موقف کو تقویت درج ذیل بیان سے بھی ہوتی ہے:

> سرور صاحب کی حد سے بڑھی ہوئی مصروفیات نے بہت لوگوں کو خفا کیا اس کا زیادہ غم نہیں۔ زیادہ غم یہ ہے کہ اس کے سبب کئی اہم کام سلیقے کے ساتھ پایہ تکمیل کو نہیں پہنچ سکے۔ اس میں سے ایک کام علی گڑھ تاریخ ادب اردو کا ہے۔[۲۳]

نقوی صاحب نے خاکے میں بہت سے پردے اٹھا بھی دیے اور کھل کر بتایا بھی نہیں جو ان کے وضع دار رجحان کے عکاس ہیں۔ نقوی صاحب نے آلِ احمد سرور کے مزاج کی گہرائی سے تصویر کشی کی ہے۔ ان کی علمی مصروفیات، اصول پسندی، عادات، اور روزمرہ معمولات کا تفصیلی تذکرہ کیا ہے۔ مثلاً:

> سرور صاحب بہت اصول پرست ہیں۔ بے دردی کی حد تک اصول پرست! رورعایت کا ان کے مزاج میں سرے سے کوئی خانہ ہے ہی نہیں۔ کسی داخلے، کسی وظیفے میں نرمی، کسی امتحان کے نمبروں میں کمی بیشی کسی تقرر میں ذرا سی ہیرا پھیری ان کے بس کی بات نہیں۔[۲۴]

خاکے میں بعض مقامات پر تفصیلات کی تکرار ناگوار محسوس ہوتی ہے ممکن ہے، انھوں نے اپنے خیال کے تاثر کو موثر انداز میں پیش کرنے کی خاطر ایسا کیا ہو۔ کچھ معلومات مختلف پیراگرافوں میں دہرائی گئی ہیں جیسے آلِ احمد سرور کی مصروفیت اور ان کی بے نیازی کا تذکرہ۔

نورالحسن نقوی اور عابد سہیل کے خاکے دونوں بے تکلف اور سادہ اسلوب میں تحریر کیے گئے ہیں۔ تاہم نقوی صاحب کا خاکہ زیادہ پھیلا ہوا، سرور صاحب کی شخصیت اور فکر و فن کے کثیر پہلوؤں کا احاطہ کرتا، متوازن، اور گہرائی کا حامل ہے۔ عابد سہیل نے ذاتی تاثرات کو ترجیح دی جب کہ نقوی صاحب نے وسیع تجربے اور گہرے مشاہدے کے ساتھ تجزیہ کیا ہے۔ اسلوب احمد انصاری کے خاکے کی بہ نسبت نقوی صاحب

کا انداز دوستانہ، رواداری کا حامل اور مثبت ہے۔ انصاری صاحب نے آلِ احمد سرور کی شخصیت کے منفی پہلوؤں پر زیادہ زور دیا جب کہ نقوی صاحب نے شخصی خوبیوں اور خامیوں کا متوازن بیان پیش کیا ہے۔ جب کہ شمیم حنفی کا خاکہ نظریاتی وابستگی کو سامنے رکھ کر اور شاگردانہ عقیدت سے تحریر کیا گیا ہے۔ نقوی صاحب کا خاکہ ذاتی واقعات، حقیقی زندگی کے معمولات اور عملی رویوں کا مؤثر اظہار کرتا ہے۔ دونوں خاکے اپنی اپنی جگہ عمدہ ہیں۔ شمیم حنفی نے زیادہ تجریدی انداز اختیار کیا جب کہ نقوی صاحب کا انداز واضح اور براہِ راست ہے۔

نور الحسن نقوی کا خاکہ پروفیسر آلِ احمد سرور کی شخصیت کا نہایت عمدہ اور جامع مرقع پیش کرتا ہے۔ انھوں نے آلِ احمد سرور کے شخصی اوصاف، علمی انہماک، مزاج، عادات واطوار، ذاتی زندگی، اور ان کے اصول پسندانہ رویے کا تفصیلی اور متوازن تجزیہ پیش کیا ہے۔ خاکے میں شگفتگی، صداقت اور معتدل تنقیدی انداز نمایاں ہے۔ چند مقامات پر تفصیلات کی تکرار اور بعض اہم واقعات کے ابہام کے باوجود یہ خاکہ آلِ احمد سرور کے شخصی مطالعے کے لیے اہم اور قابلِ قدر ماخذ کی حیثیت رکھتا ہے۔ یہ خاکہ اپنی موثر پیش کش، حقیقت پسندی اور غیر جانبدارانہ مشاہدے کے اعتبار سے بہترین ادبی خاکوں میں شمار کیا جاسکتا ہے۔

آلِ احمد سرور کی شخصیت کو دیکھنے اور سمجھنے کے لیے متذکرہ پانچ خاکوں کا تقابلی مطالعہ اہمیت کا حامل ہے۔ پانچوں خاکے ایک طرف آلِ احمد سرور کی شخصیت اور فکر و فن کے جملہ پہلوؤں سے متعارف کرواتے ہیں بلکہ خاکہ نگاروں کے مزاج، اعتقادات، نظریات اور ترجیحات کو بھی سامنے لاتا ہے۔ ان خاکوں میں ایک طرف ان کی علمی عظمت، اصول پسندی، رواداری اور تنقیدی خدمات سے آگہی حاصل ہوتی ہے تو دوسری طرف انتظامی معاملات اور بعض علمی امور پر ان کی رویوں، رجحانات، ترجیحات اور کمزوروں کا بھی پتہ چلتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ خاکے آلِ احمد سرور کی شخصیت کو سمجھنے کے لیے مختلف پہلوؤں کو سامنے لاتے ہیں۔ جن سے آلِ احمد سرور کی پوری شخصیت کو سمجھا جاسکتا ہے۔

ان پانچوں خاکہ نگاروں میں نور الحسن نقوی کا خاکہ "پروفیسر آلِ احمد سرور" سب سے بہتر، متوازن اور جامع خاکہ کہا جاسکتا ہے۔ اس خاکے کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ اس میں شخصیت کے تمام پہلوؤں (اخلاق، عادات، مزاج، علمی مقام، اصول پسندی، ذاتی اور خاندانی زندگی اور شخصی کمزوریوں) کی پیش کش کے ساتھ ساتھ گہرا تجزیہ بھی کیا گیا ہے۔ نقوی صاحب نے جس شائستگی، شگفتگی اور دیانت داری سے آلِ احمد سرور کے اوصاف و نقائص بیان کیے ہیں، وہ خاکہ نگاری کے اعلیٰ اصولوں کے عین مطابق ہے۔

نورالحسن نقوی نقوی کا خاکہ مکمل شخصیت کی واضح تصویر پیش کرتا ہے۔ نقوی صاحب نے آلِ احمد سرور کے کردار کی گہرائی، ظاہری وضع قطع، معمولاتِ زندگی اور نفسیاتی رویوں کی جامع تصویر کشی کی ہے۔ خاکے میں آلِ احمد سرور کی شخصیت کے تمام پہلو پوری تفصیل سے سامنے آتے ہیں۔ اس خاکے میں علمی بصیرت کے ساتھ ساتھ ذاتی عادات، گھریلو زندگی، نفسیات اور اخلاقی کردار کی واضح تصویر ملتی ہے۔ مثلاً نقوی صاحب آلِ احمد سرور کی عادات، کھانے پینے کی ترجیحات اور ذاتی زندگی کے واقعات کو اس قدر دلکش اور حقیقت پسندی سے بیان کرتے ہیں کہ قاری کے ذہن میں ان کی واضح تصویر بن جاتی ہے۔

آئینہ خانے میں شامل آلِ احمد سرور کا خاکہ، خاکہ نگاری کے جملہ فنی اصلوں کو پورا نہیں کرتا۔ اسلوب احمد انصاری نے متوازن خاکہ تحریر کرنے کی بجائے ذاتی رنجشوں اور منفی تاثرات کو بہت زیادہ جگہ دی ہے جس سے آلِ احمد سرور کی شخصیت کا مثبت پہلو مکمل طور پر پسِ منظر میں چلا گیا ہے۔ اسلوب انصاری صاحب کی تلخ نوائی اور تنقیدی تندی اس خاکے کو یک رخا اور غیر متوازن بناتی ہے۔ یوں یہ خاکہ خاکہ نگاری کے بنیادی اصولوں (غیر جانبداری اور معتدل انداز) سے بہت دور جا پڑتا ہے۔

ان پانچ خاکوں کا موازنہ کرنے سے آلِ احمد سرور کی شخصیت ایک کثیر الجہت شخصیت کے طور پر سامنے آتی ہے۔ ایک طرف آلِ احمد سرور کی اصول پسندی، علمیت، تنقیدی مقام، نظریاتی وابستگی اور شخصی سادگی سامنے آتی ہے دوسری طر ان کی بشری کمزوریاں (ذود رنجی، ذاتی مفاد پرستی، منافقت اور کینہ پروری کا رویہ، انتقامی مزاج، تنقید میں یک طرفہ پن اور بے ربطی، اندھا دھند مصروفیت اور عدم توجہ سے بھی پردہ اٹھتا ہے۔ اس طرح آلِ احمد سرور ایک فرشتے یا مجسمے کی بجائے ایک گوشت پوست کے انسان کے طور پر سامنے آتے ہیں۔

بہترین خاکے کا وصف یہ ہے کہ غیر جانب داری اور توازن برقرار رہے۔ شخصیت کے تمام پہلوؤں کا گہرا اور مکمل تجزیہ ہو۔ شگفتہ، سادہ اور مؤثر اسلوب ہو۔ ذاتی تجربے اور مشاہدے کی روشنی میں تصویر کشی کی گئی ہو۔ یہ خوبیاں نورالحسن نقوی کے خاکے میں بدرجہ اتم موجود ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ یہ خاکہ ایک مثالی خاکے کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس مقالے کے ذریعے شخصیت نگاری کے اصول اور آلِ احمد سرور کی شخصیت کا ایک بھرپور نقشہ مرتب ہوتا ہے۔ اس سے نہ صرف خاکہ نگاری کا معیار واضح ہوتا ہے بلکہ اردو ادب میں شخصیت نگاری کی بہترین روایت کی نشاندہی بھی ہوتی ہے۔

حوالہ جات

۱۔ ڈاکٹر انور سدید، برسبیل تنقید (لاہور: مقبول اکیڈمی، ۱۹۹۰ء)، ۴۲۳۔
۲۔ اسلوب احمد انصاری، آئینہ خانے میں (علی گڑھ: انٹر نیشنل پرنٹنگ پریس، ۲۰۰۴ء)، ۱۱۴۔
۳۔ ایضاً، ۱۰۴۔
۴۔ ایضاً، ۱۰۴۔
۵۔ ایضاً، ۱۱۵۔
۶۔ ایضاً، ۱۱۲۔
۷۔ ایضاً، ۱۰۸۔
۸۔ ڈاکٹر سید معین الرحمٰن، محبتیں ہی محبتیں، مرتبہ: عاصم کلیار (لاہور: الوقار پبلی کیشنز، ۲۰۰۳ء)، ۱۴۵۔
۹۔ ایضاً، ۱۴۴۔
۱۰۔ ایضاً، ۱۴۶۔
۱۱۔ ایضاً، ۱۴۷۔
۱۲۔ ایضاً، ۱۴۶۔
۱۳۔ عابد سہیل، کھلی کتاب (لکھنو: کاکر بھی پریس، ۲۰۰۴ء)، ۶۷۔
۱۴۔ ایضاً، ۴۷۔
۱۵۔ ایضاً، ۷۴-۷۵۔
۱۶۔ ایضاً، ۷۷۔
۱۷۔ شمیم حنفی، ہم نفسوں کی بزم میں (نئی دہلی: مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، ۲۰۰۶ء)، ۴۸۔
۱۸۔ ایضاً، ۴۸۔
۱۹۔ ایضاً، ۴۹۔
۲۰۔ ایضاً، ۵۰۔
۲۱۔ نورالحسن نقوی، تصویریں اجالوں کی (علی گڑھ: ایجوکیشنل بک ہاؤس، ۱۹۹۹ء)، ۶۸۔
۲۲۔ ایضاً، ۷۲۔
۲۳۔ ایضاً، ۷۱۔
۲۴۔ ایضاً، ۷۴۔